انتخاب کلام

عابد پیشاوری

مرتب

جمیل اختر

اردو اکادمی دہلی

وہ زندگی کے کوائف کو خاک سمجھیں گے
جو لوگ درد کو دل سے جدا سمجھتے ہیں
(عابدؔ)

حرفِ آغاز

دلّی ہمیشہ ہندوستان کے دل کی دھڑکنوں کا محور و مرکز رہی ہے۔ اسی لیے ''عالم میں انتخاب'' اس شہرِ بے نظیر کی تاریخ و تہذیب، علم و فن اور زبان و ادب کو پورے ملک کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ آزاد ہندوستان کی یہ تاریخی راجدھانی بجا طور پر اردو زبان و ادب کی راجدھانی بھی کہی جاسکتی ہے۔ اسی کے گرد و نواح میں کھڑی بولی کے بطن سے زبانِ دہلوی یا اردو نے جنم لیا جو اپنی دھرتی کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی ضرورتوں کے زیرِ سایہ نشو و نما پا کر اس عظیم تہذیب کی ترجمان بن گئی جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کا نام دیتے ہیں اور جو ہماری زندہ و تابندہ تاریخی وراثت ہے۔

دلّی کے ساتھ اردو زبان اور اردو ثقافت کے اسی قدیم اور اٹوٹ رشتے کے پیشِ نظر ۱۹۸۱ء میں دہلی اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور ایک چھوٹے سے دفتر سے اکادمی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آج دہلی اردو اکادمی کا شمار اردو کے فعاّل ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب اور اردو ثقافت کو فروغ دینے کے لیے اکادمی مسلسل جو کوششیں کررہی ہے، انھیں نہ صرف دہلی بلکہ پورے ملک نیز بیرونی ممالک کے اردو حلقوں میں بھی کافی سراہا گیا ہے۔

اکادمی کے دستور العمل کی رو سے دہلی کے لیفٹننٹ گورنر پہلے اکادمی کے چیئر مین ہوتے تھے، دہلی میں منتخب حکومت کے قیام کے بعد اکادمی کے چیئر مین دہلی کے وزیرِ اعلیٰ ہوگئے ہیں جو دو سال کے لیے اکادمی کے اراکین کو نامزد کرتے ہیں۔ اراکین کا انتخاب دہلی کے ممتاز ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور اساتذہ میں سے کیا جاتا ہے جن کے مشوروں کی روشنی میں چیئر مین کی منظوری سے اکادمی مختلف کاموں کے منصوبے بناتی

اور انھیں رو بہ عمل لاتی ہے۔ اکادمی اپنی سرگرمیوں میں دہلی اور بیرون دہلی کے دیگر اردو اداروں سے بھی باہمی مشورت اور تعاون قائم رکھتی ہے۔

اردو اکادمی، دہلی اپنی جن گوناگوں سرگرمیوں کی وجہ سے پورے ملک میں اپنی واضح پہچان قائم کر چکی ہے، ان میں ایک اہم سرگرمی اکادمی کی طرف سے ایک معیاری ادبی رسالے ماہنامہ ''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ معیار کی علمی اور ادبی کتابوں کی اشاعت بھی ہے۔

اکادمی نے کئی اہم شعرا کے انتخابات شائع کیے ہیں۔ یہ انتخاب اسی سلسلۂ پیش کش کا ایک حصّہ ہے۔ جناب عابد پیشاوری کے کلام کا انتخاب اکادمی کی درخواست پر ڈاکٹر جمیل اختر نے بڑی محنت و جانفشانی سے کیا ہے تا کہ ان کی شاعری کے مزاج اور رویّے کو سمجھا جا سکے اس کے لیے ہم مرتب کی علمی کاوشوں کے ممنون ہیں۔

ہم اردو اکادمی دہلی کی چیئر پرسن محترمہ شیلا دکشت کے ممنون ہیں جن کی سرپرستی اکادمی کی کارکردگی میں معاون ہوتی ہے۔ اکادمی کے دیگر ممبران کے سرگرم تعاون اور مفید مشورے ہمارے لیے رہنمائی کا کام کرتے ہیں جس کا اعتراف ضروری ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ زیرِ نظر کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی دلچسپی کا باعث بھی ہوگی۔

مرغوب حیدر عابدی
سکریٹری

پیش لفظ

دہلی یونیورسٹی کا شعبۂ اردو اپنے جن طلباء کی علمی اور ادبی خدمات پر فخر کرتا اور کرسکتا ہے ان میں پروفیسر نعیم احمد، پروفیسر عتیق صدیقی، پروفیسر عنوان چشتی اور پروفیسر عظیم الشان صدیقی کے ساتھ پروفیسر شیام لال کالرا (عابد پیشاوری) کا نام نامی بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مجھے یاد ہے ۱۹۶۰ء میں جب وہ ریزرو بینک دہلی میں ملازم تھے دہلی یونیورسٹی میں ایم۔اے (اردو ایوننگ) میں انھوں نے داخلہ لیا تھا۔ جلد ہی اپنی ذہانت اور علمی بصیرت سے انھوں نے اپنے اساتذہ کا دل جیت لیا۔ وہ شاعر بھی تھے اور عروض و بیان کی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے دوسرے ہم جماعت دلیپ سنگھ بادل کے ساتھ غریب خانہ پر آتے اور ہم لوگ گھنٹوں ادبی مسائل پر گفتگو کرتے۔ ۱۹۶۲ء میں انھوں نے امتیاز کے ساتھ ایم۔اے کا امتحان پاس کیا اور پھر Ph.D میں داخلہ لیا۔ انشا اللہ خاں انشا، ان کا موضوع تھا۔ لیکن دہلی یونیورسٹی میں کام مکمل نہ کرسکے بعد میں جب وہ کامرس کالج جموں میں لکچرر ہو گئے تو جموں یونیورسٹی سے انھوں نے اسی موضوع پر اپنا کام مکمل کیا۔ اسی تحقیق کی بنیاد پر ۱۹۸۰ء میں ان کی کتاب ''انشا کے حریف وحلیف'' شائع ہوئی۔ انشا کی اپنے زمانہ کے ادیبوں سے جو معرکہ آرائیاں ہوئیں خصوصاً مصحفی سے اس کی بڑی مستند اور تفصیلی روداد اس کتاب میں جمع کردی گئی ہے۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ اس سے حوصلہ پاکر انھوں نے متعدد تحقیقی مضامین بڑی محنت اور دقتِ نگاہ سے لکھے۔ مثلاً نقطے اور شوشے، جس میں انھوں نے عبدالحق کی کتاب ''انتخاب کلام حاتم — دیوان قدیم کے تسامحات کا جائزہ لیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنا تحقیقی مقالہ'' انشا اللہ خاں انشا، ۱۹۸۵ء میں یو۔پی اردو

اکیڈمی سے شائع کرایا۔ اس کتاب نے بہ حیثیت محقق ان کی ساکھ قائم کردی۔ اب وہ جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں استاد کی حیثیت سے آ گئے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق اور علم دوستی کی بنا پر طلبا اور اساتذہ دونوں میں مقبول تھے۔

۱۹۹۴ء میں ان کی ایک تصنیف ''گاہے گاہے باز خواں'' شائع ہوئی۔ اس کے مضامین میں ان کی تنقیدی بصیرت کھل کر سامنے آئی۔ لیکن تنقید سے زیادہ وہ فن شاعری میں انہماک رکھتے تھے۔ وہ غزل، نظم، دوہا کئی اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ کبھی کبھی مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے لیکن لاابالی طبیعت تھی، کلام محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ ان کے جگری دوست بے انت سنگھ گدّا نے یہ کام انجام دیا۔ کبھی میرا جموں جانا ہوتا تو وہ اصرار کر کے اپنے گھر مہمان داری کرتے۔ شعروشاعری کی محفل جمتی۔ سخن گوئی میں وہ کلاسیکی شعرا کے پیرو تھے۔ اکثر استادوں کی زمینوں میں غزلیں کہتے۔ طبیعت میں کچھ انا پسندی بھی تھی۔ کسی کے سامنے نہ آسانی سے جھکتے تھے نہ ہار مانتے تھے۔ جگن ناتھ آزاد ان کے صدر شعبہ تھے۔ ان سے کبھی کبھی چشمک ہو جاتی تھی۔

چند اشعار دیکھئے:

چاند کو دیکھ نظر چرخ پہ رکھنے والے
جس کو ہوتا ہے عروج اس پہ زوال آتا ہے

کہہ دو انھیں جو جاہ کے نشے میں چور ہیں
پستی بھی ہے جہاں میں ہر اک ارتقا کے بعد

آگ سی لگ رہی ہے اک دل میں
حالِ دل اس سے بڑھ کے کیا کہئے

جو ترا غم کیا نہیں کرتے
وہ خوشی سے جیا نہیں کرتے

ناصح تری باتوں کو بڑی عمر پڑی ہے
یہ وقت جوانی ہے محبت کی گھڑی ہے

سادگی اور پُرکاری ان کے اشعار کی جان ہے۔ اکثر اشعار میں بے ساختگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ شعری زبان اور محاورہ پر انھیں بڑی قدرت حاصل تھی۔ یہ شعر دیکھئے۔

مجھ پر بھی کچھ کرم ہوتو میں بھی کہوں کہ ہاں
ورنہ تو میں فقیر کہاں تم سخی کہاں

خود بھی دعویٰ کرتے ہیں۔

مری سادہ کلامی کی تو عابد
سخن والوں میں بھی دھو میں بڑی ہیں

عابد پیشاوری دوہوں میں بھی ایک انوکھا رنگ پیدا کر دیتے تھے۔ ان کے دوہوں میں فکر ونظر کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔ جیسے

آزادی اک خواب ہے وہ بھی بے تعبیر
سب رسمیں آداب سب سب رشتے زنجیر

اندر سونی بستیاں باہر جگ مگ شہر
کھلی آنکھ سے دیکھتے تہذیبوں کا قہر

مجھے خوشی ہے کہ بے انت سنگھ گدّا اور ڈاکٹر جمیل اختر کی کوششوں سے ان کے کلام کا یہ انتخاب اردو اکادمی کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے۔ ایسے اہل قلم اب دور دور تک نظر نہیں آتے جو بیک وقت تحقیق، تنقید اور تخلیق تینوں اوصاف کے حامل ہوں اور ان میں اپنا نقش چھوڑ سکے ہوں۔

پروفیسر قمر رئیس
اردو اکادمی، دہلی، وائس چیئرمین

کچھ انتخاب کی باتیں

شام لال عابد پیشاوری ایک اچھے اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ وہ پیشاور کے رہنے والے تھے لیکن آزادی کے بعد انہوں نے دلّی میں سکونت اختیار کی اور ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک دلّی میں حاصل کی۔ اس نسبت سے وہ اصلاً دلّی والے مانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں دہلویت کا رنگ غالب ہے اور ایک اچھی اور معیاری شاعری ہے۔ جموں یونیورسٹی میں لکچرار کی ملازمت ملنے کے بعد جب وہ جموں گئے تو بھی دلّی سے ناطہ نہیں توڑا بلکہ ہمیشہ آتے جاتے رہے۔ لیکن مسائل حیات اور تنگ دستی زمانہ و معاشی مجبوری کی بنا پر اپنا دیوان شائع نہیں کرا سکے۔ آخر 26/جنوری 1999 کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی جدائی اردو کے ادبی حلقوں خاص کر دلّی والوں کے لیے کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں ہے۔

دہلی سے نسبت ہونے کی وجہ سے ان کے انتقال کے بعد ہم دلّی والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان کے کلام کو زیور طبع سے آراستہ کر کے اردو والوں خاص کر دلی والوں تک پہنچائیں۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ تین ڈائری کی شکل میں تھا جو ان کے جگری دوست بے انت سنگھ گڈا کی تحویل میں تھا جو انہوں نے اکادمی کا وائس چیئرمین بننے کے بعد پروفیسر قمر رئیس کو اس غرض سے دیا کہ وہ اس کو شائع کرنے کی کوئی سبیل نکالیں۔ قمر رئیس صاحب نے اس پر پہلا حق اردو اکادمی کا جانا۔ لہٰذا انہوں نے ریسرچ اینڈ پبلی کیشن کمیٹی کی پہلی نشست میں یہ تجویز رکھی اور اسے کمیٹی کے تمام ارکان نے بہ یک زبان منظوری دے دی اور انتخاب کا یہ کام میرے سپرد کر دیا گیا۔ میں نے تینوں ڈائری سے ان

کی غزلوں اور نظموں کا ایک انتخاب کیا ہے جو یقیناً پسند کیا جائے گا۔ پورا دیوان کافی ضخیم ہے جو انشاء اللہ کلیات کی شکل میں پھر کبھی سامنے آئے گا۔ فی الوقت اس انتخاب سے لطف اٹھایئے۔ ان کی شاعری کے مزاج اور رویے کو سمجھنے کے لیے یہ انتخاب کافی ہے۔

ہم سب کو عابد پیشاوری کے دیرینہ دوست بے انت سنگھ گدؔا صاحب کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ انہوں نے یہ مسودہ صحیح وقت پر صحیح اور نہایت ہی ذمہ دار انسان شناس اور ادب دوست آدمی کے حوالے کیا۔ جس کی وجہ سے ایک مختصر لیکن عمدہ انتخاب زیور طبع سے آراستہ ہو سکا۔

میں قمر رئیس صاحب کا اس لیے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے پر اعتبار کرتے ہوئے یہ اہم ذمہ داری مجھے سونپی۔ اردو اکادمی دلّی مبارک باد کی مستحق ہے کہ یہ استحقاق اسے حاصل ہوا۔

جمیل اختر

تعارف

عابد پیشاوری کا اصل نام شام لال کالرا ہے۔ آبائی وطن ڈیرہ غازی خاں ہے۔ بچپن میں ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لیے ان کی پرورش پھوپھی کے گھر پیشاور (شمال مغربی سرحدی صوبہ پاکستان) میں ہوئی۔ اسی نسبت سے پیشاوری لکھتے ہیں۔ وہ اردو کے مشہور محقق، ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش 1936 میں ہوئی تھی۔ گیارہ سال کے تھے کہ ملک کی تقسیم ہوگئی۔ اس وقت وہ چھٹی جماعت میں تھے۔ تقسیم کے بعد بے سروسامانی کے عالم میں شہروں شہروں بھٹکتے رہے۔ آخر میں دلّی تشریف لائے اور یہاں آکر پرائیویٹ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ 1958 میں پنجاب یونی ورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا اور اول پوزیشن حاصل کی۔ 1960 میں دلّی یونی ورسٹی کی ایوننگ کلاسز میں داخلہ لیا اور 1962 میں وہاں سے ایم اے کی ڈگری اول پوزیشن سے حاصل کی۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کی تلاش شروع ہوئی۔ کچھ عرصہ پنجاب نیشنل بنک اور ریزرو بنک آف انڈیا میں ملازمت کی۔ 1967 میں جموں کشمیر یونی ورسٹی میں لیکچرار ہوئے۔ 1975 میں جموں کشمیر یونی ورسٹی سے ڈاکٹر گیان چند کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کیا۔ وہ بہت ذہین اور لائق استاد تھے۔ ان کے شاگرد انہیں بہت پسند کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔

شاعری کے ذریعہ ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ ان کے استاد جناب بخشی اختر امرتسری جو داغ گھرانے سے متعلق تھے ان کی زیر سرپرستی شاعری میں کمال حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ

ان کی شاعری میں دہلویت کا رنگ نمایاں ہے۔ اور وہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں ؎

ہیں وطن سے تو پیشاوری ہم
دہلوی ہم ہیں طرز بیاں سے

ان کی شاعری خود ان کے درد و غم اور رنج و محن کا اظہار ہے۔ زندگی کے نامساعد حالات اور دوستوں کی بے وفائی کا شکوہ اور زمانہ کے ظلم و ستم کی داستان جوان پر گذری، اس کا دردمندانہ اظہار ہے:

وہ کہے بھی کیا کہ جس کو دیئے ہیں ہم دموں نے چرکے
وہ گلہ کرے تو کس سے جسے دوستوں نے مارا

نہ جانے شعر کا معیار کیا ہے اے عابدؔ
یہاں تو دل کی صدا ہی صدا ہے فکر نہ فن

کچھ دوستوں نے لوٹا کچھ سادگی نے مارا
دکھتا ہے دل یہ کہتے کوئی نہیں ہمارا

وہ سادہ انسان تھے۔ لیکن ان کی شاعری پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر کی طرح ان کی زندگی رنج و غم کا مجموعہ تھی۔ زندگی بھر تنگ دست اور پریشان رہے۔ میر سے مماثلت کی وجہ سے ہی تو انہوں نے یہ دعوا کیا کہ ؎

مجھے بھی میر ہی سمجھیں گے اے عابدؔ
اگر میں چھوڑ گیا اپنے بعد اپنا کلام

نشاں ہوگا کلام جاوداں جب ہم نہیں ہوں گے
ہماری یاد تو ہوگی یہاں جب ہم نہیں ہوں گے

انہوں نے شاعری کی مختلف صنفوں پر طبع آزمائی کی۔ غزل، قطعہ، رباعی، پابند نظم، آزاد نظم، فرد، اشعار وغیرہ۔ ان کی غزلیں ماہنامہ 'تخلیق'، ماہنامہ 'صدا بہار'، روزنامہ 'ہند

سماچار، وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں۔

عابد پیشاوری نے ''انشاء اللہ خاں انشاء'' پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں انہوں نے لکھنؤ اور حیدر آباد کا دورہ کیا اور بہت محنت اور جانفشانی سے حالات اکٹھے کیے۔

لٰہذا ان کی زیادہ تر کتابیں انشاء سے ہی متعلق ہیں۔ پی ایچ ڈی کے علاوہ بھی انہوں نے انشاء پر کئی ایک کام کیے۔ آپ کی تخلیقات کی برصغیر ہندو پاک کے ادباء نے بے حد پسند کیا۔ آپ کی نثری تخلیقات درج ذیل ہیں:

1- انشاء کے حریف وحلیف — 1980

2- نقطے اور شوشے — 1980

3- متعلقاتِ انشاء — 1985

4- انشاء اللہ خاں — 1985

5- ذوق ومحمد حسین — 1987

6- گاہے گاہے باز خواں — 1994

عابد صاحب کے ادبی کارنامے پر انہیں کئی ایوارڈ بھی ملے۔

1- یوپی اردو اکیڈمی نے انہیں اعزاز سے نوازا۔

2- میر اکیڈمی لکھنؤ نے امتیاز میر اور نوائے میر کے اعزازات بخشے۔

3- ایوانِ غالب نئی دلّی نے ان کی مجموعی ادبی خدمات کے لیے 1998 میں اٹلس غالب انعام سے سرفراز کیا۔

مئی 1998 میں صدر شعبہ اردو جموں یونی ورسٹی و کنوینر بورڈ آف اسٹڈیز کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان ازدواجی زندگی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بے کیف گزری۔ بعد میں اپنے سالہ کی لڑکی کو گود لیا۔

دلّی میں ان کے ایک بے حد جگری دوست بے انت سنگھ گدّا ہیں، جنہیں وہ جانم کہا

کرتے تھے اور گدّا بھی انہیں جانم کہا کرتے تھے۔ وہ دہلی جب بھی آتے گدّا صاحب ہی کے یہاں قیام کرتے تھے۔ آخری بار وہ دسمبر 1998 میں دلّی آئے اور گدّا صاحب کے ساتھ ٹھہرے 15/دسمبر کو واپس گئے۔ بقول گدّا صاحب ''26/جنوری 1999 کو ان کی وفات کا تار موصول ہوا مجھے ان کی جدائی کا بہت غم ہوا۔ ہم ایک دوسرے کو خانم کہا کرتے تھے اور یہی القاب خطوں میں تحریر کیا کرتے تھے۔'' حق مغفرت کرے۔

کشتی جب آگئی سر گرداب چل دیئے
موقع پڑا تو چھوڑ کر احباب چل دیئے

ان کی زندگی میں ان کا کوئی دیوان شائع نہیں ہوسکا۔

OOO
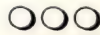
انتخابِ کلام

غزلیات

ہیں وطن سے تو پیشاوری ہم
دہلوی ہیں ہم اپنے بیاں سے

○

ہم پہ ٹوٹے ستم آسماں سے
کیا گلہ آپ سے مہرباں سے

دے رہا ہے مقدر وہ جھانسے
الٹے الٹے ہی پڑتے ہیں پانسے

جن کو تھا زعمِ جادو بیانی
ہیں ترے سامنے بے زباں سے

کیا خبر ہے کہاں اپنی منزل
کون جانے کہ آئے کہاں سے

پھر بہاروں کی صورت نہ دیکھی
ہائے نکلے تھے کیوں آشیاں سے

ظلم، غم، بے توجہی، تغافل
ہم گزر آئے ہر امتحاں سے

ہیں وطن سے تو پیشاوری ہم
دہلوی ہیں ہم اپنے بیاں سے

(ابتدائی کلام)

○

دغا دے گئی عمرِ فانی کسی کی
ہوئی مختصر یوں کہانی کسی کی

کسی پہ مجسم شباب آرہا ہے
لٹی جارہی ہے جوانی کسی کی

سر بسترِ مرگ، اجل ڈھونڈتی ہے
معاذ اللہ یہ ناتوانی کسی کی

نہ جاؤ ابھی اٹھ کے محفل سے للہ
ادھوری رہے گی کہانی کسی کی

سنبھل کر ذرا عشق محشر خرامی
کہیں مٹ نہ جائے نشانی کسی کی

جفاؤں کی ہم پر مسلسل عنایت
نہیں بھولتی مہربانی کسی کی

نہیں داغِ عصیاں یہ اے داورِ حشر
لیے پھر رہے ہیں نشانی کسی کی

(ابتدائی کلام)

○

کیوں کہوں میں تری بے داد سے دل دکھتا ہے
آسمانِ ستم ایجاد سے دل دکھتا ہے

ٹھوکریں کھائی ہیں وہ راہِ وفا میں ہم نے
اب تو ہر چھوٹی سی اُفتاد سے دل دکھتا ہے

جب ستم تھا تو سکوں کا کوئی پہلو بھی تو تھا
جب نہیں کچھ بھی تو فریاد سے دل دکھتا ہے

ہائے وہ یاد کہ دیتی تھی کچھ دل کو قرار
اب یہ حالت کہ اُسی یاد سے دل دکھتا ہے

خود بھی خوش رہ کہ تجھے دیکھ کے خوش ہو دنیا
ایک ناشاد کا ناشاد سے دل دکھتا ہے

چار دن عمر تری وہ بھی کٹے رو رو کر
اے جوانی تری بنیاد سے دل دکھتا ہے

اب عبادت بھی گئی بُت بھی خدا بھی عابدؔ
یاد پھر یاد ہے ہر یاد سے دل دکھتا ہے

(ابتدائی کلام)

○

تمہارے نام پہ صدمے اٹھا رہے ہیں ہم
بنامِ شان وفا مسکرا رہے ہیں ہم

ہمارا بزم میں آنا تھا ناگوار تمہیں
لو اٹھ کے محفلِ ہستی سے جا رہے ہیں ہم

قسم خدا کی فرشتوں کو رشک آنے لگا
رہِ وفا میں وہ سجدے لٹا رہے ہیں ہم

مٹا کے عظمتِ ماضی کی یاد کو دل سے
نئی حیات کے نقشے بنا رہے ہیں ہم

وہ بارِ عشق ملائک جسے اٹھا نہ سکے
بشر کی ذات ہیں پھر بھی اٹھا رہے ہیں ہم

وہ کون ہیں جو محبت کی بات کرتے ہیں
اسی خطا کی سزا آج پا رہے ہیں ہم

تڑپ تڑپ کے گزاری ہے رات فرقت کی
گواہ تم کو ستارو بنا رہے ہیں ہم

(ابتدائی کلام)

○

غمِ حیات سے کس کو نجات ملتی ہے
سنا ہے مر کے بھی تازہ حیات ملتی ہے

عجیب رنگ دکھائے ہیں تونے حسنِ ازل
کہ ہر زباں پہ رواں تیری بات ملتی ہے

سیاہ دونوں ہیں دونوں کے ایک سے ہیں مزاج
تمہاری زلف سے فرقت کی رات ملتی ہے

قدم قدم پہ زمانے میں ہیں نئے فتنے
قدم قدم پہ نئی واردات ملتی ہے

کسی سے دل بھی لگائیں تو کیا لگائیں یہاں
جو شے بھی ملتی ہے وہ بے ثبات ملتی ہے

اُنہیں کے حصہ میں آتی ہے بندگی عابدؔ
دلوں میں جن کے تجلیِ ذات ملتی ہے

(ابتدائی کلام)

○

نہیں ہے مجھ کو تمنا فریب کھانے کی
اگر ہے چاہ تو بس تم کو بھول جانے کی

بدل کے چھوڑیں گے کہنہ روش زمانے کی
وفا جو ہم سے کبھی عمرِ بے وفا نے کی

ہزار بار جنہیں آزما کے دیکھا ہو
سعی فضول ہے پھر ان کو آزمانے کی

نہیں ہے اس کا یہ مطلب سیاہ کار بنیں
یہ ٹھیک ہے کہ جوانی نہیں پھر آنے کی

وجود پیار کا ثابت ہے اُس زمانے سے
ابھی پڑی نہ تھی بنیاد بھی زمانے کی

(ابتدائی کلام)

○

زینتِ باغِ جہاں ہے زندگی
اک بہار بے خزاں ہے زندگی

زندگی افسانہ در افسانہ ہے
داستاں در داستاں ہے زندگی

آدمیت کی کسوٹی جانیے
آدمی کا امتحاں ہے زندگی

موت کے پنجے میں ہے خاموش ہے
ہائے کتنی بے زباں ہے زندگی

زندگی سے آج ہم ہیں بد گماں
یا ہمیں سے بدگماں ہے زندگی؟

قلبِ گیتی کی اسے دھڑکن کہیں
شہ رگ ہر دو جہاں ہے زندگی

زندگی ہے پر تو حسن ازل
رحمتِ حق کا نشاں ہے زندگی

(ابتدائی کلام)

O

یہ چنگ کیا رباب کیا یہ نشہ شباب کیا
عبث نہ پھول بے خبر کہ ہستیِ حباب کیا

خیال ہی خیال میں نکھر رہی ہے زندگی
ہوئے ہیں کامراں کبھی گداگروں کے خواب کیا

نظر نظر میں کھو گئی نظر نظر کی ہوگئی
حجاب بے تکلف اب تکلفِ حجاب کیا

خوشی جوابِ غم سہی، پہ غم تو لا جواب ہے
دلِ حزیں بتا کہ لاجواب کا جواب کیا

گناہ گار کے لیے ہیں رحمتیں ہی رحمتیں
گناہ سے گریز کیوں رسم سے اجتناب کیا

نہیں نہیں کبھی نہیں شکایت اور آپ سے
جفائیں بے حساب ہیں جفاؤں کا حساب کیا

نگاہِ انتخاب نے تباہ کردیا مجھے
سکونِ دل کی چاہ نے دکھائے ہیں سراب کیا

(ابتدائی کلام)

○

بشر مجبور بھی مختار بھی ہے
یہ خاکی نور بھی ہے نار بھی ہے

نہیں ہے تابِ نظارے کی لیکن
نظر کو حسرتِ دیدار بھی ہے

سنبھل پھولوں کے شیدائی سنبھل جا
ہر اک گل کے جلو میں خار بھی ہے

روایاتِ جہاں ڈستی ہیں مجھ کو
مجھے اہل جہاں سے پیار بھی ہے

خمارِ جاں گُسل پنہاں ہے اس میں
سرورِ مے کشی آزار بھی ہے

مرے اشعار بھی ہیں نثر جیسے
یہ طرز آسان بھی دشوار بھی ہے

ہے اک تو مستیٔ عرفان عابدؔ
اور اس پر مستیٔ کردار بھی ہے

(ابتدائی کلام)

○

آہ و فغاں دن رات کریں گے
یوں بھی گذر اوقات کریں گے

آؤ کچھ تم دل کی کہنا
کچھ ہم دل کی بات کریں گے

تم بھی چپ ہو ہم بھی چپ ہیں
بات کرو گے بات کریں گے

چھوڑو ذکرِ قیامت، آؤ
فیصلہ ہاتھوں ہاتھ کریں گے

دوست ہمیشہ دوست رہے گا
جو دشمن ہیں گھات کریں گے

شعر کہیں گے سیدھے سادے
سیدھی سادی بات کریں گے

ذکرِ صنم کے پہلو بہ پہلو
عابدؔ ذکرِ ذات کریں گے

(ابتدائی کلام)

○

غم حیات سے کس کو نجات ملتی ہے
سنا ہے مر کے بھی تازہ حیات ملتی ہے

عجیب رنگ دکھائے ہیں تو نے حسن ازل
کہ ہر زباں پہ رواں تیری بات ملتی ہے

سیاہ دونوں ہیں دونوں کے ایک سے ہیں مزاج
تمہاری زلف سے فرقت کی رات ملتی ہے

بشر بشر میں ہے تقسیم زر سے اک تفریق
خدا کے بندوں میں بھی ذات پات ملتی ہے

قدم قدم پہ زمانے میں ہیں نئے فتنے
قدم قدم پہ نئی واردات ملتی ہے

انہیں کے حصے میں آتی ہے بندگی عابدؔ
دلوں میں جن کے تجلیِ ذات ملتی ہے

(17/دسمبر 1959)

○

نہیں ہے مجھ کو تمنا فریب کھانے کی
اگر ہے چاہ تو بس تم کو بھول جانے کی

بدل کے چھوڑیں گے کہنہ روش زمانے کی
وفا جو ہم سے کبھی عمر بے وفا نے کی

ہزار بار جنہیں آزما کے دیکھا ہو
سعی فضول ہے پھر ان کو آزمانے کی

نہیں ہے اس کا یہ مطلب سیاہ کار بنیں
یہ ٹھیک ہے کہ جوانی نہیں پھر آنے کی

وجود پیار کا ثابت ہے اس زمانے سے
ابھی پڑی نہ تھی بنیاد بھی زمانے کی

خدا کے واسطے کیجیے نہ دیر آنے میں
کسی کے بس میں نہیں ہوتی بات جانے کی

(23 ستمبر 1959)

○

دلِ انسانی اک گنجینہ
رازِ محبت ایک دفینہ

اپنے پن کی جانچ یہی ہے
بغض کدورت نفرت کینہ

ذکرِ محبت عالم عالم
دردِ محبت سینہ سینہ

حسنِ برہم عشقِ ملتجی
ایک ادا اور ایک قرینہ

درد الم غم ارماں حسرت
اتنی موجیں ایک سفینہ

سختیِ راہِ منزل الفت
دانتوں آنے لگا پسینہ

میرا تصور حسنِ مجسم
میری تمنا شوخ حسینہ

(12 رنومبر 1960)

○

تجھے اے جذبۂ دل آزما کر ہم بھی دیکھیں گے
کسی بے مہر کو اپنا بنا کر ہم بھی دیکھیں گے

حریمِ ناز کے پردے اٹھا کر ہم بھی دیکھیں گے
نظر کے حوصلے کو آزما کے ہم بھی دیکھیں گے

زباں اِشک نا مانوس اگر ٹھہری ہے اے جاناں
تو پھر کوشش کریں گے مسکرا کر ہم بھی دیکھیں گے

وہ جلوہ جن سے کوہِ طور پر غش کھا گئے موسیٰ
وہی جلوہ عیاں پھر اے خدا کر ہم بھی دیکھیں گے

زمانہ بھولنے والوں کو اکثر بھول جاتا ہے
جو یہ سچ ہے تو پھر تم کو بھلا کر ہم بھی دیکھیں گے

تری آنکھوں کی اک جنبش بدل دیتی ہے تقدیریں
اِدھر بھی اک نظر بہرِ خدا کر ہم بھی دیکھیں گے

کہیں جاتی بھی ہے دل سے بتوں کی آرزو عابدؔ
تو اپنے دل کو وقفِ کبریا کر ہم بھی دیکھیں گے

(طرحی برائے پاسبان چنڈی گڑھ۔ 27رفروری 1961)

○

وہی حسرت وہی جلووں کی تمنا وہی درد
آج بھی بات وہیں ہے کہ جہاں تھی پہلے

کھل گئی آنکھیں سی اک ضرب محبت کے طفیل
زندگی تھی تو مگر خوابِ گراں تھی پہلے

یہ تری چشمِ کرم کی برکت ہے ورنہ
شبِ غم ایک حدیثِ دگراں تھی پہلے

زخم کھل اٹھے محبت کی بدولت دل میں
یہ زمیں کیسے، کہوں لالہ ستاں تھی پہلے

حوصلے ٹوٹ گئے پھر جو گئی تیری نظر
گردِ رہ میرے لیے کاہکشاں تھی پہلے

آج ہر کس ہے سخن فہم تو ناکس شاعر
شاعری شیوۂ صاحب نظراں تھی پہلے

(برائے یوم برق-19/اپریل1961)

○

جانے کس کی نظر ہوگئی
زندگی دردِ سر ہوگئی

اشک کچھ کام آ ہی گئے
جب زباں بے اثر ہوگئی

ذکر پر میرے شرمائے تم
داستاں مشتہر ہوگئی

لب پہ جب تیرا نام آگیا
جانے کیوں آنکھ تر ہوگئی

سلسلہ غم کا اتنا بڑھا
زندگی مختصر ہوگئی

باغ میں بے نقاب آئے تم
ہر کلی دیدہ ور ہو گئی

آدمی جب عدم سے چلا
بے بسی ہم سفر ہوگئی

دور پر دور چلتے گئے
تشنگی تیز تر ہوگئی

وصل کی شب یہ جلووں کی لو
سحر ٹوٹا، سحر ہوگئی

ایک تم جس طرف ہوگئے
ساری دنیا اُدھر ہوگئی

ترے جلووں کی ارزانیاں
ہر نظر معتبر ہوگئی !!

عشق میں جاں بہ حق ہوگئے
اک مہم تھی کہ سر ہوگئی

(30/اپریل 1961)

○

ہمیں بحث ، نظر سے بحث نہیں
باخبر بے خبر سے بحث نہیں

تم نے پیغام تو لیا ہوتا
عجزِ پیغام بر سے بحث نہیں

اپنی درماندگی کو روتے ہیں
راہِ دشوار تر سے بحث نہیں

جلوۂ مختصر کا شکوہ ہے
دیدۂ کم نظر سے بحث نہیں

اپنے سجدے ہی پر خلوص نہ تھے
عظمتِ سنگِ در سے بحث نہیں

آپ جلووں کا اہتمام کریں
ہم کو تابِ نظر سے بحث نہیں

اہلِ فن سے قدر کی امید
عابدؔ بے ہنر سے بحث نہیں

(8 مئی 1961)

○

ٹوٹتا ہے دیکھنا تارِ نفس تارِ نظر
اک نظر بہرِ خدا جاتا ہے بیمارِ نظر

ہر گھڑی ہر لمحہ سو سو رنگ سو سو زاویے
پردہ پوشِ اہلِ نظر سے بھی ہیں اسرارِ نظر

باعث شہرت ہوا ہے آپ کو بھی مجھ کو بھی
آپ کا حسن نظر بندے کا معیارِ نظر

کہہ گئے سب کچھ وہ باوصفِ خموشی بزم میں
اور کوئی بھی نہ سمجھا رازِ گفتارِ نظر

دید کا دعویٰ تو کر بیٹھے تھے کرنے کو کلیم
پارہ پارہ کردیا جلوے نے پندارِ نظر

آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھو کیا کئے سجدے ادا
نقشِ پائے دوست پر جھک گیا تارِ نظر

وہ تو اے عابؔد تھے بے پردہ نظر کے سامنے
حیف مائل ہوگئی جلووں میں دیوارِ نظر

(21 راگست 1961)

○

درد بھی درد کی دوا بھی ہے
ہم نشیں عشق معجزا بھی ہے

زندگی لقمۂ فنا بھی ہے
زندگی ایک معرکہ بھی ہے

غم اگرچہ ہے حاصلِ ہستی
آدمی غم سے بھاگتا بھی ہے

عجزِ تدبیر کا بھی ہے احساس
اور تقدیر سے گلہ بھی ہے!

گو رسائی نہیں ہے اُس در تک
تجھے اس در کا آسرا بھی ہے

یعنی امیدِ صبحِ نورانی
ظلمتِ شب میں اک ضیا بھی ہے

آرزوؤں سے کھیلنا کب تک
آرزوؤں کی انتہا بھی ہے!

(8رفروری1961)

○

گناہوں کا مجھے احساس بھی ہے
مگر تیرے کرم کی آس بھی ہے

وفا کے طالبو یہ تو بتاؤ
وفا کی دہر میں بوُ باس بھی ہے

لہو روتے ہیں پھر بھی جی رہے ہیں
فضائے زندگی یوں راس بھی ہے

ستم بھی ہے ترا جان بخش لیکن
مجھے تیرے کرم کی پیاس بھی ہے

پلادے آج تو جی بھر کے ساقی
ہے موسم بھی سہانا پیاس بھی ہے

جو ملنا بھی تو اس سے بچ کے ملنا
بشر ابلیس بھی الیاس بھی ہے

یہ مانا عکس ذات حق ہے عابدؔ
حقیقت کا مگر عکاس بھی ہے

(5ستمبر 1961)

○

فریب فکر و نظر کھا گئے ہیں دیوانے
مآلِ عشق پہ ہنستے ہیں آج فرزانے

یہ وارداتِ محبت یہ حادثاتِ فراق
جو ہم پہ بیت گئی آپ کی بلا جانے

تمام رات جلی پھوٹ پھوٹ کر روئی
پتنگا شمع سے کیا کہہ گیا خدا جانے

کسی کے دردِ نہانی کو کوئی کیا سمجھے
کسی کے سوزِ درونی کو کوئی کیا جانے

مرے ہی ضبط سے ہے انضباطِ ارض و سماں
مری ہی آنکھ سے گردش میں ہیں یہ پیمانے

مچل مچل گئے آنکھوں میں اشک ان کے حضور
سسک سسک گئے ہونٹوں پہ لاکھ افسانے

میں اپنی دھن میں جہاں سے گزر گیا عابدؔ
پکارتے رہے دیر و حرم کہ مے خانے

(20/مارچ 1961)

○

محبت جبر و استبداد کی خوگر نہیں ہوتی
مگر یہ ضبط کے جامے سے بھی باہر نہیں ہوتی

محبت کرنے والے خود پرستی کر نہیں سکتے
وفا خوددار ہوتی ہے مگر خود سر نہیں ہوتی

محبت موت کے آغوش میں بھی مسکراتی ہے
انانیت کسی میں عشق سے بڑھ کر نہیں ہوتی

اسی کی گود میں بے شک ہزاروں فتنے پلتے ہیں
بہ ذاتِ خود وفا ہر چند فتنہ گر نہیں ہوتی

ذرا سی ضرب میں انساں کہیں کا بھی نہیں رہتا
محبت سے بڑی شاید کوئی ٹھوکر نہیں ہوتی

محبت کرنے والے اپنی دھن میں مست رہتے ہیں
ادائے ہوشیاری عشق کا جوہر نہیں ہوتی

محبت کہساروں تک کے سینے چیر دیتی ہے
محبت سولیوں پر بھی خمیدہ سر نہیں ہوتی

محبت پتھروں سے دودھ کی نہریں بہاتی ہے
یہ شعلوں سے گلے مل کر بھی خاکستر نہیں ہوتی

محبت خاک کی چٹکی کو بھی پروانہ دیتی ہے
یہ رفعت آشنا ہرگز شکستہ پر نہیں ہوتی

محبت کرنے والوں کا جہاں فانی نہیں ہوتا
وفا میں مٹنے والوں کی نظر تہہ پر نہیں ہوتی

وفا والوں کے معبد اینٹ پتھر کے نہیں ہوتے
محبت قائلِ پابندیٔ دل بر نہیں ہوتی

تم اے عابدؔ محبت سے بغاوت کر نہیں سکتے
کجا خاکی یہ ہستی قدسیوں سے سر نہیں ہوتی

(9/اکتوبر1961)

○

جس پہ بھی تیری نظرِ کرم ہے
اس کو دنیا ہی باغِ ارم ہے

تو تو مختارِ لوح و قلم ہے
پھر بھی میرے لیے غم ہی غم ہے

کشتیِ دل ہے موجِ الم ہے
مجھ پہ میرے خدا کا کرم ہے

گو سکوں ایک پل بھی قسم ہے
زیست پھر زیست ہے مغتنم ہے

میری تقدیر الجھی ہے ایسے
جیسے زلفِ صنم خم بہ خم ہے

صبحِ عشرت سے مجھ کو تعلق
میری مونس مری شامِ غم ہے

اک قیامت ہوا تیرا جانا
آج ہر پھول کی آنکھ نم ہے

یہ دنیا، یہاں آدمی پر
بیت جائے جو کچھ بھی وہ کم ہے

یوں تو فانی ہے ہر شے جہاں کی
جاودانی محبت کا غم ہے

مجھ پہ ہنستا ہے سارا زمانہ
کیا تری یہ عنایت ہی کم ہے

عالمِ بے خودی اللہ اللہ
اب مساوی وجود و عدم ہے

رخ سے زلفوں کے بادل ہٹادو
روشنی چاند تاروں میں کم ہے

تیری دنیا خدا جانے کیا ہو
میری دنیا الم ہی الم ہے

عالمِ بے خودی ترے قربان
بے کسی ہے نہ احساس غم ہے

(طرحی برائے بزم شعر۔ 15 / اکتوبر 1961)

O

تمہاری یاد میں کاٹی ہے ساری زندگی میں نے
فرشتوں سے بھی کیا ہوگی جو کی ہے بندگی میں نے

جہاں کے طعنہ و تشنیع پر گردن جھکالی ہے
کبھی یوں بھی اڑائی ہے زمانے کی ہنسی میں نے

تری دنیا مجھ ایسے سادہ لوحوں کے لیے کب تھی
یہ میرا حوصلہ پیہم لٹا اور اُف نہ کی میں نے

اگر بھولے سے بھی تم سے شکایت کا خیال آیا
تو پھر محسوس کی ہے خودی سے بھی شرمندگی میں نے

ترے قربان مجھے پھر میری دنیا کا سنا مژدہ
ترے صدقے تری دنیا کی رونق دیکھ لی میں نے

میں اپنے وقت کا ہوں میرؔ اے عابد خدا شاہد
بہت مجبور ہو کر دل سے کی ہے شاعری میں نے

(1961)

○

نہ منزل ہے نہ منزل کا نشاں ہے اب جہاں میں ہوں
فقط ظلمت کا بحرِ بیکراں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں انصاف بے پایاں تو تھا خواہاں نہ تھا کوئی
یہاں انصاف اک جنسِ گراں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں پابندیِ معبود کا قائل نہ تھا کوئی
یہاں سجدوں پہ قیدِ آستاں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں کن فیکون اک راز تھا رازِ مقدس تھا
یہاں انساں حریفِ کن فکاں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں لفظِ قیامت تھا مگر معنی نہ تھے کوئی
یہاں ہر دم قیامت کا سماں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں ہر دل سمجھتا تھا مجھے بھی میری باتیں بھی
یہاں ہم دل نہ کوئی ہم زباں ہے اب جہاں میں ہوں

وہاں خود آسماں اک نقطۂ موہوم تھا عابدؔ
یہاں ذرّوں میں طرزِ آسماں ہے اب جہاں میں ہوں

(1961)

○

یہ تو نہیں کہ مجھ کو کسی شے کا غم نہیں
یہ اور بات ہے کہ مری آنکھ نم نہیں

غم تو یہ ہے کہ تم نے بھی دیکھی ہیں سختیاں
واللہ مجھ کو اپنی تباہی کا غم نہیں

مہنگی پڑی ہے ترکِ تعلق کی آرزو
پہلے سے دل میں درد زیادہ ہے کم نہیں

ہر چند مے پرست نہ میکش نواز ہوں
رندوں میں پی بھی لوں تو کچھ اس کی قسم نہیں

یا تو سنوار دے مرا بگڑا ہوا نصیب
یا مان لے کہ مالکِ لوح و قلم نہیں

(20 [illegible] 1961)

○

نہیں ہے یوں تو جہاں میں کوئی جس کو رنج و الم نہیں ہے
نہیں ہے غم معتبر کسی کا اگر محبت کا غم نہیں ہے

یہ رند ہیں سجدہ گر نہیں ہیں یہ بے خبر خود نگر نہیں ہیں
گرے ہوؤں کو سنبھال ساقی یہ میکدہ ہے حرم نہیں ہے

ترے کرم پر نگاہ بھی ہے تو دل میں خوفِ گناہ بھی ہے
بتا تو لوح و قلم کے والی یہ بے لبوں پر ستم نہیں ہے

نشانِ زخمِ کہن بھی اب تو مٹا مٹا ہے بجھا بجھا ہے
تمہارے پاس اب مرے لیے کیا کوئی بھی تازہ کرم نہیں ہے

ہمارا مشرب وسیع مشرب ہمارا سجدہ وقیع سجدہ
یہ قیدئ آستاں نہیں ہے اسیر دیر و حرم نہیں ہے

(4رجنوری 962

○

ہم نے کیا تو کیا کیا کار گہہِ حیات میں
عمر تمام ہوگئی یوں ہی تفکرات میں

جستجوئے وفا نہ کر عالمِ بے ثبات ہے
باقی اگر ہے کچھ تو ہے رسمِ وفا وفات میں

لے دلِ کم سمجھ سنبھل دیکھ نہ آنا گھات میں
تیرِ رسم ہزار ہیں دامِ نوازشات میں

تا کہ تری نظر میں ہوں عیب وصواب و زشت وخوب
چاہیئے یہ کبھی کبھی بیٹھ خود اپنی گھات میں

مقصدِ زندگی ہے فوت ایک ہے ان کی زیست موت
کٹتی ہے جن کی صبح و شام محض غمِ نجات میں

طعنۂ بے خودی ہے کیا کیا یہ درس ہوش کا
جوش و خرد کا واسطہ دل کے معاملات میں

تم نے ہمیں بھلا دیا گو یہ بھی ایک بات ہے
یہ بھی کہو کہ راز ہیں کتنے اس ایک بات میں

(1961)

O

عشقِ حسنِ لا مکانی اور ہے
آرزوئے حسنِ فانی اور ہے

گو خطائیں سب، خطائیں ہیں مگر
ہر خطائے نوجوانی اور ہے

یوں تو یہ سارا زمانہ ہے حسیں
وہ وجودِ آسمانی اور ہے

مے پرستی میں وہ کیفیت کہاں
کیف صہبائے جوانی اور ہے

ہم تو چپ ہیں اور ہی کچھ سوچ کر
اور ان کو بدگمانی اور ہے

چھوڑ دیں گے اب خراب آباد ہم
کوئی دن کا دانہ پانی اور ہے

عابدؔ اب مصداقِ مصراعِ اسدؔ
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

(22/دسمبر 1961)

O

کبھی اے بے خودی اک لغزشِ مستانہ ہوجائے
عیاں اُن پر بھی تو کیفیتِ دیوانہ ہوجائے

ازل سے روح تشنہ ہے ہماری پیاس اے ساقی
نہیں بجھنے کی گو سارا جہاں مے خانہ ہوجائے

مری روداد غم سن کر دہل جاتے ہیں پتھر بھی
قیامت ہے اسے جب تم سنو افسانہ ہوجائے

دعا مانگیں گے ہم اب سے قیامت کے نہ آنے کی
کہیں سچ مچ وفا یہ وعدہ فردا نہ ہوجائے

تری یہ سانولی صورت تری یہ موہنی مورت
ادھر آنکھیں اٹھیں اور آدمی دیوانہ ہوجائے

محبت ہی کے دم سے ہیں یہ بو قلمونیاں عابدؔ
محبت ہی نہ ہو تو یہ جہاں ویرانہ ہوجائے

(برائے سنٹرل مجلس ادب دلی - دسمبر 1961)

○

جو گل ہے سینہ چاک ہے جو دل ہے داغ دار ہے
جدھر نظر اٹھایئے بہار ہی بہار ہے

ابھی تھی زندگی کی لو ابھی ابھی غبار ہے
حیات آدمی ہے یا چراغِ رہ گذار ہے

سنا ہے میں نے بارہا کہ زیست مستعار ہے
ازل سے گویا آدمی گداگری شعار ہے

عیاں ہے ایک خلق پر جو حشرِ حق شعار ہے
خموش اے دلِ حزیں جو لب ہلے تو دار ہے

نہ ہم میں اب وہ تاب ہے نہ تم میں وہ شرار ہے
نگاہ و دل کا معرکہ بس ایک یادگار ہے

وفا مرا شعار ہے جفا ترا شعار ہے
نہ میں قصورِ وار ہوں نہ تو قصور وار ہے

پتنگا جل بجھا تو کیا یہ طعنہ شمع پر ہے کیا
کہ اپنا اپنا حوصلہ اور اپنا اپنا پیار ہے

(طرحی برائے بزم شعرا–10رفروری 1962)

○

نالہ و شب ہے کہیں آہِ سحر گام کہیں
چین کو تا نظر آتا ہے اب آرام کہیں

تم کو یہ رنج کہ میں کیوں نہ ہوا دیوانہ
مجھ کو یہ غم کہ محبت نہ ہو بدنام کہیں

تیرا مے خانہ مبارک ہو تجھے اے ساقی
ہم فقیروں کو بھی مل جائے گا اک جام کہیں

آہ و فریاد سے بدلی ہیں کبھی تقدیریں
آرزوؤں سے بھی نکلے ہیں بھلا کام کہیں

ہر نئے موڑ پہ تقدیر کو رونے والے
غور تو کر تری تدبیر نہ ہو خام کہیں

دق نہ کر دیکھ کہیں مجھ کو نہ آجائے جلال
میں تجھے روک نہ دوں گردش ایام کہیں

کیا ہوا اب وہ ترا زعم وہ قول اے عابدؔ
'ہم سے آزاد بھی آتے ہیں تہ دام کہیں'

(طرحی برائے بزم شعرائے دتی-9 رفروری 62)

○

تقدیر نے غم دے کر تدبیر سنواری ہے
تعبیر سے قاصر تھے تقصیر ہماری ہے

پہلے تو نظر ملنا پھر اُن سے بچھڑ جانا
وہ زخم بھی کاری تھا یہ چوٹ بھی کاری ہے

اب اور تمنا کیا میت ہی پہ آجانا
سو قول تمہارے تھے اک بات ہماری ہے

تم یاد نہیں کرتے ہم بھول نہیں سکتے
وہ رنگ تمہارا ہے یہ آن ہماری ہے

در بند ہیں کیوں ہم پر بے ذوق ہیں کیا سجدے
شکوہ تو نہیں لیکن یہ شان تمہاری ہے؟

اشکوں نے تراشا ہے اک پیکرِ نورانی
پلکوں نے گُہر چن کر تصویر اتاری ہے

نغمہ ہی وہ کیا ہے جو بے کیف ہو بے لے ہو
نالہ ہی نہیں ہے جو تاثیر سے عاری ہے

(27رفروری62)

○

زندگی گلشن بھی ہے ویرانہ بھی
آدمی فرزانہ بھی دیوانہ بھی!

سر جھکے ہیں مست ہیں سب مے پرست
کیا عبادت گاہ ہے مے خانہ بھی

اپنی اپنی شان ہے انداز ہے
شمع بھی جلتی ہے ہر پروانہ بھی

فرصتِ جلوۂ دیدار تو کر لیں ہم
دیکھ لیں گے جلوہ جانانہ بھی

جال بھی پھیلایا ہے صیاد نے
بجلیوں کی زد پہ ہے کاشانہ بھی

معترف بھی ہیں مرے اخلاص کے
یا سمجھتے ہیں مجھے بے گانہ بھی

فن کا کیا مذکور اے عابدؔ مگر
شاعری افسوں بھی ہے افسانہ بھی

(7-6/مارچ 1962)

○

کیا کہیں گزری ہے کیا دہر کے میخانے میں
زندگی ڈوب گئی زہر کے پیمانے میں

کچھ ہے اپنوں کا گلہ کچھ ہے خلوصِ اغیار
اور کچھ بھی تو نہیں ہے مرے افسانے میں

کثرتِ تیرگی یاس ہے اے شمعِ امید
ایک ہلکی سی کرن دل کے سیہ خانے میں

اور کچھ دیر یوں ہی رہنے دو جلووں کا فسوں
ٹھہر جاؤ کہ ابھی ہوش ہے دیوانے میں

دیکھئے دل میں رہے یاد تمہاری کب تک
اک گلستان بسایا تو ہے ویرانے میں

بے سبب تو نہیں یہ درد یہ دھڑکن یہ تڑپ
حادثہ گزرا ہے دل پر کوئی انجانے میں

سخت نازک ہیں محبت کے مسائل عابدؔ
نہ سمجھنے ہی میں آتے ہیں نہ سمجھانے میں

(6/اپریل 1962)

○

جو چاہئے تھا کر نہ سکے زندگی میں ہم
راہِ حیات بھول گئے بندگی میں ہم

اپنی خطاؤں پر تو نہ کی بھول کر نگاہ
اور عیب ڈھونڈتے رہے ہر آدمی میں ہم

منزل ملی نہ جادۂ منزل کا کچھ سراغ
عمرِ عزیز کھو چلے آوارگی میں ہم

لگتی ہیں ضبطِ غم پہ تصنع کی تہمتیں
کیوں کر کہیں کہ خوش ہیں تمہاری خوشی میں ہم

اہلِ نظر کو آج کوئی پوچھتا نہیں
کیا ہے جو کر رہے ہیں گزر بے کسی میں ہم

کیا کہئے کس غرض سے ترے در تک آ گئے
کچھ بات تھی کہ بھول گئے بے خودی میں ہم

عابدؔ دھلی نہ دل سے سیاہی گناہ کی
تا عمر اگرچہ غرق رہے بندگی میں ہم

(27/مئی 1962)

○

یوں تو کسی بھی جعل میں آنے کو آئے دل
کھائے مگر فریبِ محبت نہ کھائے دل

دل پاس بھی تو ہو جو کریں ہم دوائے دل
پہلو میں ایک شعلۂ مضطر ہے جائے دل

کیوں کر کہیں کہ کیا تھا تصادم نگاہ کا
بے ساختہ زبان پکاری کہ ہائے دل

مل جائے اک نگاہِ محبت زہے نصیب
دیتا ہے دل بھی کوئی کسی کو برائے دل

دل کی شکستگی کی خبر ہو کسی کو کیا
آتی تو ہے سنی نہیں جاتی صدائے دل

انجام جب ہو حسرت و داغ و غم و فراق
کہئے تو کس امید پہ کوئی لگائے دل

(20/مارچ1961)

○

ذرہ ذرہ تری جانب نگراں ہے اے دوست
تو مگر کون سے پردے میں نہاں ہے اے دوست

پھر سے افسانۂ رنگینِ غم عشق کہوں؟
اتنی فرصت غمِ دوراں سے کہاں ہے اے دوست

موت کے سائے میں بھی جیتے ہیں جینے والے
زندگی کس نے کہا بارِ گراں ہے اے دوست

اس زمانے میں نہیں کوئی کسی کا مونس
یہ مروت کا زمانہ ہی کہاں ہے اے دوست

لب پہ شکوہ بھی نہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں
ضبط پر بھی مرے تجھ کو گماں ہے اے دوست

اُس محبت کے لیے جان دیئے دیتے ہیں ہم
نہ کہیں نام ہے جس کا نہ نشاں ہے اے دوست

(طرحی شمیم کربانی - 21 / مئی 1962)

○

درد بڑھ کر دوا نہ ہوجائے
زیست بے مدعا نہ ہوجائے

ضبط کی انتہا نہ ہوجائے
کہیں محشر بپا نہ ہوجائے

کامیاب الم نہیں ہوتا
جب تک انساں فنا نہ ہوجائے

میرے چاہے سے کچھ نہیں ہوتا
تو جو چاہے تو کیا نہ ہوجائے

بے تماشہ ستم کرم سے گریز
نالۂ دل رسا نہ ہوجائے

ذوقِ پرواز ہی نہیں رہتا
جب قفس آشیانہ ہوجائے

جس سے بچتے ہو آج اے عابدؔ
وہ کہیں مدعا نہ ہوجائے

(5/جون1962)

○

تم جو چاہو نہ رہے حال پریشاں میرا
اک نظر دیکھ لو ہوجائے گا درماں میرا

ہنستے ہیں دیکھ کے سب چاک گریباں میرا
حیف کوئی بھی نہ سمجھا غمِ پنہاں میرا

تجھ سے پھرنا تو ہے خود آپ سے رو گردانی
میں فسانہ ہوں، ترا نام ہے عنواں میرا

اک طرف مہر منوّر مہ و انجم رخشاں
اک طرف قطرۂ خونِ سر مژگاں میرا

میں نے دنیا کو سکھائے ہیں خودی کے انداز
بھول سکتی ہے یہ دنیا کبھی احساں میرا

اک نظر قہر کی ڈالوں تو یہ رک جائے یہیں
کیا بگاڑے گی بھلا گردشِ دوراں میرا

نہیں مشہور تو کیا کم نہیں یہ بھی عابدؔ
نام تعظیم سے لیتے ہیں سخنداں میرا

(برائے یوم ذوق دہلی -23/جون 1962)

O

جلوے جمالِ دوست کے آنکھوں میں بھر گئے
ہم بے خودی میں جب بھی چمن سے گزر گئے

سود و زیاں کا ہوش رہا جن کو عشق میں
وہ نامراد عشق کو بدنام کر گئے

کیوں کر کہیں کہ اٹھ گیا رحمت سے اعتقاد
شاید گناہ گار گناہوں سے ڈر گئے

اس جرم پر کہ کر نہ سکے عرضِ آرزو
ہم اک ستم شعار کے دل سے اتر گئے

کچھ امتیازِ شام و سحر تھا نہ رنج و غم
وہ عہد کیاں ہوا وہ زمانے کدھر گئے

ہمت شکن تھیں دہر کی ہنگامہ خیزیاں
یہ اپنا دم ہی تھا کہ یہاں زیست کر گئے

(30/جون 1962)

○

جذبۂ دل پہ ناز تھا بنتا میں بے وفا تو کیوں
تم تھے مری نگاہ میں غیر کو دیکھتا تو کیوں

اپنی وفاؤں کی کمی اپنے نصیب کا فریب
تم سے کروں گلہ تو کیا تم کو کہوں برا تو کیوں

وہ بھی تو دن تھے جب نہ تھا مجھ سا کوئی بھی با وفا
آج تری نگاہ میں ہوں جو میں بے وفا تو کیوں

بجھ گئے چشم کے چراغ جب سے جلے ہیں دل کے داغ
اتنے قریب ہو کے بھی ہم میں ہے فاصلہ تو کیوں

ترے کرم سے بھی بعید تیرے ستم سے بھی پرے
مجھ سے تو بے نیاز ہے مانوں تجھے خدا تو کیوں

(10/جولائی 1962)

○

ہو ہی گئے ہیں اشک نمایاں کبھی کبھی
مجبور ہو ہی جاتا ہے انساں کبھی کبھی

ہوتی رہی ہے پہروں خلش قلب زار میں
رک سی گئی ہے گردشِ دوراں کبھی کبھی

ہوجاتے ہیں کبھی وہ تصور سے بھی بعید
آجاتے ہیں جو نزدِ رگ جاں کبھی کبھی

بے چارگی و بے کسیٔ عشق! کیا کہیں؟
ہم خود سے بھی رہے ہیں گریزاں کبھی کبھی

اب جو کہیں کہیں ہمیں ساحل نشیں مگر
ہم خود بڑھے ہیں جانب طوفاں کبھی کبھی

گل سوگوار غنچے غمگیں کلیاں پر ملال
آتی ہے یوں بھی فصلِ بہاراں کبھی کبھی

عابدؔ یہ سچ ہے سعیِ حاصل کے باوجود
ہوتی نہیں ہیں مشکلیں آساں کبھی کبھی

(طرحی برائے بزم شعرادہلی-30/جولائی1962)

O

اَرَنی گو کی طرح کیا کوئی خود سر نہ ہوا
ایک ہی بار ہوا جلوہ مکرر نہ ہوا

آستاں کی ترے پھر بات ہی ہوتی کچھ اور
سنگِ اسود تری دہلیز کا پتھر نہ ہوا

نہ امیری ملی ہم کو نہ فقیری آئی
حق تو یہ ہے کہ ہمیں کچھ بھی میسر نہ ہوا

دل گریزاں تو نہیں درد سے اسے چارہ گرد
یہی کیا کم ہے مرا عشق نگوں، سر نہ ہوا

گو ہر اک گام پہ اک غم تھا زمانے میں مگر
غم دوراں غم جاناں کے برابر نہ ہوا

کون سی بات نئی حشر میں پیش آئے گی
تمہیں انصاف کرو کب یہاں محشر نہ ہوا

ہجر ہی ہجر میں جاتی ہے حیات اے عابدؔ
نہیں ہونا تھا ہمیں وصل میسر نہ ہوا

(21/جولائی 1962)

○

مری جنبشِ قلم نے ترا خال و خط سنوارا
یہ مری نظر تھی جس نے ترے حسن کو نکھارا

جسے چھوڑ دے زمانہ اسے ہے ترا سہارا
جو گرا تری نظر سے وہ اٹھے گا کیا دوبارا

یہ نصیب اپنا اپنا ہے یہ اپنی اپنی قسمت
کوئی ہار کر بھی جیتا کوئی جیت کر بھی ہارا

کبھی دی صدا بھی دل نے غم ہجر میں تو ایسے
کسی اجنبی نے جیسے کہیں دور سے پکارا

اسے کیا کہیں کہ کشتی کبھی کوششوں سے اپنی
جو بھنور سے بچ بھی نکلی پرے ہٹ گیا کنارا

وہ کہے بھی کیا کہ جس کو دیئے ہمدموں نے چر کے
وہ گلہ کرے تو کس سے جسے دوستوں نے مارا

مری بے کسی کو یارب کوئی غیر تو نہ دیکھے
اپنوں پہ حرف آئے مجھے یہ نہیں گوارا

(1961)

○

کبھی رنگ لایا بھی جذب دل تو فلک ہی دیکھ کے جل گیا
مری سمت نگہتِ گل چلی تو ہوا کا رخ ہی بدل گیا

سرِ راہ آج وہ مل گئے تو نظر بچا کے نکل گئے
اک حادثہ تھا نہ ہوسکا اک سانحہ تھا کہ ٹل گیا

مرا ذوقِ دید یوں ہی رہا ترا حسن پردہ نشیں رہا
مری آنکھ میں وہ جو نور تھا ہوئیں مدتیں کہ وہ ڈھل گیا

یہ ترے کرم پہ تھا منحصر یہ تری نگاہ کی بات تھی
وہ جو دل میں ایک چراغ تھا کبھی بجھ گیا کبھی جل گیا

رہِ عشق سخت تو ہے بجا مگر اپنا اپنا ہے حوصلہ
جو گرا وہ گر کے نہ اٹھ سکا جو سنبھل گیا وہ سنبھل گیا

جسے زندگی نے رلا دیا اسے خوف مرگ جو ہو تو کیا؟
جہاں یاس حد سے گزر گئی وہاں دل بھی خود ہی ہل گیا

جو خبر نہیں ہے تمہیں تو کیا مرے درد سے تمہیں واسطہ
دلِ غم نصیب کی بات کیا نہ سنبھل سکا تو مچل گیا

(8/ستمبر 1962)

○

یہ جہانِ آب و گل گلشن بھی ہے ویرانہ بھی ہے
زندگی اے ہم سفیرو دام بھی دانہ بھی ہے

عاشقانِ نور کیا اتنا بتا سکتے ہو تم
تم میں وہ سوزِ دروں وہ جذب پروانہ بھی ہے

ناز بردران فصل گل کہو سچ سچ کہو
تم نے کیا رازِ دوام فصل گل جانا بھی ہے

داستانِ شمع و پروانہ وہی ہے آج بھی
کیا دلوں میں وہ خلوصِ شمع و پروانہ بھی ہے

نا مکمل ہے کتابِ زندگی بے بابِ موت
زندگی و موت میں ربطِ رقیبانہ بھی ہے

ہم نے لی تربیت پرواز خود صیاد سے
شامل آزادی میں یوں طور غلامانہ بھی ہے

فن کسے کہتے ہیں عابدؔ یہ تو جانیں اہلِ فن
ہم سمجھتے ہیں کہ شعر افسوں بھی افسانہ بھی ہے

(برائے ''شام جگر'' انجمن ترقی اردو- 14 ستمبر 1962)

○

دنیا ہنسا کرے گی مری عقلِ خام پر
کرتا ہوں میں گناہ بھی رحمت کے نام پر

میرے لیے سکون کی کوئی بات بھی نہیں
حرف آ نہ جائے دیکھ تیرے فیضِ عام پر

تشبیہہ دوں ترے رخِ روشن سے کس طرح
کچھ داغ بھی ہیں چہرۂ ماہِ تمام پر

کیا پوچھتے ہو راہِ محبت کی سختیاں
دل تھک کے بیٹھ گیا گام گام پر

جب اختلافِ زاویہ ہائے نگاہ ہے
تم کیوں الجھ رہے ہو حلال و حرام پر

سہتے رہے جفائیں تلاشِ وفا میں ہم
کھاتے رہے فریب محبت کے نام پر

ہمدم نہیں حبیب نہیں ہم نشیں نہیں
پہنچا دیا ہے دل نے مجھے کس مقام پر

(برائے انجمن تعمیر اردو۔ بر مصرعہ طرح 'الزام ناروا ہے فرشتوں کے نام پر' 29 ستمبر 1962)

○

کوئی کشش تو زندگیِ مختصر میں ہے
جس کے لیے ازل سے ہر انساں سفر میں ہے

تم خود تو اک جہان کی نظروں میں ہو مگر
وہ خوش نصیب ہے جو تمہاری نظر میں ہے

غم تو یہ ہے کہ نیتِ ملاح میں ہے پھیر
اس کا تو غم نہیں ہے کہ کشتی بھنور میں ہے

جائے بھی دل سے کس طرح خواہش گناہ کی
جب عنصرِ گناہ خمیر بشر میں ہے

آزاد کو بھی تو نہیں آزادیِ تمام
طوقِ شب سیاہ گلوئے سحر میں ہے

اپنا تو معجزوں میں بھی اب کم ہے اعتقاد
احباب کا یقین ابھی چارہ گر میں ہے

عابدؔ مگر ہے اپنے لیے گفتۂ امیرؔ
"سارے جہاں کا درد ہمارے جگہ میں ہے"

(طرحی برائے بزم ادب شکور بستی - 9/1 اکتوبر 1962)

○

کشتی جب آگئی سرِ گرداب چل دیئے
موقع پڑا تو چھوڑ کے احباب چل دیئے

یہ سادگی کہ جب نہ دعائیں ہوئیں قبول
ہم خود ہی جانب درِ ایجاب چل دیئے

جب تم نے ہم کو چھوڑ دیا اور کیا رہا
ہم دیکھتے ہی رہ گئے سب خواب چل دیئے

کیا کیا بہم کئے سرو ساماں تمام عمر
وقت آگیا تو چھوڑ سب احباب چل دیئے

اپنے لیے تو کچھ نہ کیا ہم نے عمر بھر
تیرے لیے ہم اے دلِ بے تاب چل دیئے

کچھ اس طرح سے محفلِ ہستی سے جی اٹھا
بالائے طاق رکھ کے سب آداب چل دیئے

عابد جدائی شاق ہوئی اس قدر کہ ہم
تڑپے بسانِ ماہی بے آب چل دیئے

(3/نومبر 1962)

○

اب ندامت سے فائدہ صاحب
وہ جو ہونا تھا ہوگیا صاحب

زندگی یوں بھی خوار ہونی تھی
تم نے دھوکا دیا تو کیا صاحب

بات تم تک پہنچ تو سکتی تھی
ہم سے شکوہ نہ ہوسکا صاحب

آپ خوش ہیں یہی غنیمت ہے
مٹ گئے ہم تو کیا ہوا صاحب

آپ کیا مجھ کو یاد کرتے ہیں
دردِ دل اور بڑھ گیا صاحب

لوگ کہتے ہیں اب مجھے کیا کیا
کبھی کچھ تم نے بھی سنا صاحب

جاں بہ لب ہے فراق سے عابدؔ
کیجیے خیر کی دعا صاحب

(17 رنومبر 62)

○

میں کیا کہوں بتائے کوئی مجھے خدارا
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کیا حال ہے تمہارا

کیا حال پوچھتے ہو اے دوستو ہمارا
کچھ گردشوں نے لوٹا کچھ سادگی نے مارا

قسمت پہ ہنسنے والو تم کیا کہو گے اس کو
کشتی سے خود ہی ساحل کرلے اگر کنارا

جب ہر طرف ہوں ہمدم جب ہر طرف ہوں اپنے
دُکھتا ہے دل یہ کہتے کوئی نہیں ہمارا

الزام دے رہے ہیں مجھ کو گناہ کا وہ
ہے جن کی روٹیوں کا واحد یہی سہارا

اندھوں سے موتیوں کا عابدؔ کرو نہ سودا
دکھتا نہیں تمہیں کیا یہ سر بہ سر خدا

مجھ کو یقین ہے عابدؔ اس ذات کبریا پر
ابھرے گا اک نہ اک دن ڈوبا ہوا ستارا

(24 رنومبر 1962)

○

پُر درد سی دھن چھیڑ کہ دل سخت حزیں ہے
مطرب بہ خدا وقت خموشی کا نہیں ہے

تم جب سے گئے دل کا وہ عالم ہی نہیں ہے
کھنڈر سے پڑے ہیں نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

اک تو کہ مرے سچ پہ بھروسہ نہیں تجھ کو
اک میں کہ ترے جھوٹ پہ بھی مجھ کو یقیں ہے

دل پہلے بھی تیری ہی محبت کا امیں تھا
دل آج بھی تیری ہی محبت کا امیں ہے

جب تونے بنایا تھا تو ویرانہ تھا عالم
اب میں نے سجایا ہے تو یہ کتنا حسیں ہے

ممکن ہو تو پھر ایک نظر ان کی طرف بھی
کچھ لوگ یہ کہتے ہیں خدا کچھ بھی نہیں ہے

ایسا نہ ہو کھل جائے بھرم اہلِ جہاں کا
عابدؔ سے نہ پوچھو کہ یہ کیوں گوشہ نشیں ہے

○

آ اے دل ہم مل کر رولیں
اشکوں سے داغوں کو دھولیں

اس دنیا میں کون ہے اپنا
کس سے دل کے دکھڑے کھولیں

ہم دل سے مجبور ہیں ورنہ
تم جو نہ بولو، ہم بھی نہ بولیں

حرف آئے عشق پہ اے دل
اشکوں کو دامن میں سمو لیں

پھر سے کریں آغازِ محبت
پھر سے حسن آنکھوں میں تو لیں

چھوڑ دیں چپّو توڑ دیں لنگر
کشتی ڈولے ہم بھی ڈولیں

عابدؔ رات آنکھوں میں بیتی
آؤ اب کچھ لمحے سو لیں

(17/جنوری 1963)

○

مرے جذبے میں شاید کچھ کمی ہے
نہیں تو مجھ سے کیوں یہ برہمی ہے

تو زاہد رہنے دے تلقین اپنی
گنہگاری نصیبِ آدمی ہے

تجھے میں کس طرح سمجھاؤں ناصح
محبت اک سرورِ دائمی ہے

تری دنیا بہ ہر صورت مکمل
مری دنیا میں اک تیری کمی ہے

مروت اٹھ گئی دنیا سے شاید
نہ وہ ہمدم نہ رسمِ ہمدمی ہے

نہیں پونچھے یہ مانا تو نے آنسو
ترے دامن میں یہ کیسی نمی ہے؟

تو اپنے آپ کو پہچان عابدؔ
کہ یہ نا آگہی نا محرمی ہے

(17/مارچ 1963)

○

تجھے اے قلزمِ رحمت خبر ہے
کہ بندے کی خطائیں بھی بڑی ہیں

کسی پہلوٗ سنبھلتا ہی نہیں دل
نگاہوں سے نگاہیں کیا لڑی ہیں

یہ کس گل کی گلستاں میں ہے آمد
یہ کلیاں ہاتھ کیوں جوڑے کھڑی ہیں

ابھی نیت ہی کی تھی مے کدے کی
گھٹائیں ہر طرف سے جھک پڑی ہیں

محبت میں قدم رکھتا ہے اے دل
محبت کی مگر شرطیں کڑی ہیں

مری سادہ کلامی کی تو عابدؔ
سخن والوں میں بھی دھو میں پڑی ہیں

(یکم اپریل 1963)

○

سعیِ پیہم پہ بھی ہم آہ جو چاہا نہ ہوئے
درد والے تو ہوئے درد کا چارا نہ ہوئے

پئے مقصد تو ہے دیوانگیٔ مقصد شرط
کچھ بھی ملتا نہیں دنیا میں بے دیوانہ ہوئے

سعیِ منزل کے لیے مٹ تو گئے ہم لیکن
رہنمائی کے لیے نقشِ کفِ پا نہ ہوئے

ہیں کہاں جوہر باطن کے پرکھنے والے
اُن کو جانے گا بھلا کون جو رسوا نہ ہوئے

کچھ نہ کچھ کر کے دکھاتے بھی تو چرچا ہوتا
اب گلہ کیا ہے نہ موضوع نہ افسانہ ہوئے

شکر صد شکر بنایا نہ تماشہ تم کو
حیف صد حیف کہ ہم خود بھی تماشا نہ ہوئے

اپنی کم مائیگی پر آتا ہے رونا عابدؔ
عمر برباد کی اک فن میں بھی یکتا نہ ہوئے

(16/اپریل1963)

○

ایک ایک شعر حاصلِ صد تجربات ہے
میں جو بھی کہہ رہا ہوں مرے دل کی بات ہے

کچھ آج کی نہیں ہے ازل سے یہ بات ہے
انسان مقیم رہ گذر حادثات ہے

ہے کائنات عشق مسلسل کا سلسلہ
سمجھو تو عشق ہی سبب کائنات ہے

دامن وسیع تر ہے کرم کا مگر یہ کیا
صبحِ خوشی کہیں تو کہیں غم کی رات ہے

مجھ کو مرا کلام سند ہے دوام کی
میں خوب جانتا ہوں بشر بے ثبات ہے

اپنا ہی ظرف ہے کہ ابھی ہوش میں ہیں ہم
ورنہ تری نظر سے تو مے خانہ مات ہے

پرتو صفات میں بھی نمایاں ہے ذات کا
عابدؔ مگر یہ روشنیِ دل کی بات ہے

(29، جولائی 1962، حیدرآباد)

○

دل پر ہوا ہے وار غمِ بے پناہ کا
آئے جو حوصلہ ہو کسی خیر خواہ کا

اک برق تھی کہ آنکھ میں لہرا کے رہ گئی
کیا کہیے اور کیا تھا تصادم نگاہ کا

بڑھ جائیں سو گنا بھی مصائب تو دوستو
قائل نہ ہو سکوں گا میں بخت سیاہ کا

پھر سوچ لو یہ قطع تعلق سے پیش تر
آتا نہیں ہے سب کو سلیقہ نباہ کا

مجھ بے نوا کو بھی کبھی ہونے دے باریاب
رتبہ نہیں گھٹے گا تری بارگاہ کا

عابدؔ وہ بندگی وہ عبادت کدھر گئی
ہم نے کہا نہ تھا کہ نہ کر قصد چاہ کا

عابدؔ غزل کو ختم کرو قولِ میرؔ پر
'ہے معتقد فقیر نمو کی کلاہ کا'

(2/اگست 1963، حیدرآباد)

○

کیا خبر آج کیوں یہ عالم ہے
دل پریشاں ہے آنکھ پر نم ہے

یہ ہمیں ہیں کہ زندہ ہیں ورنہ
زندگی زندگی کا ماتم ہے

زلفِ گیتی سنوارنے والے
فرصتِ زندگی بہت کم ہے

آپ کچھ بھی سمجھ نہیں پاتے
دل کی بات اس قدر تو مبہم ہے

ہونے والا ہے حادثہ کوئی
آج دل کا مزاج برہم ہے

آج تک رنج ہی ملا ہم کو
یوں بھی خواہ ایک عالم ہے

کیا ہے ذکر فرشتگاں عابدؔ
عظمتِ آدمی مسلم ہے

(12راگست 1963، حیدرآباد)

○

قضائے دم بہ دم مہنگی پڑی ہے
محبت ہر قدم مہنگی پڑی ہے

اُنہیں کوئی بہانہ چاہئے تھا
ہمیں یہ چشمِ نم مہنگی پڑی

تجھے غم کثرتِ غم کا ہے اے دوست
مجھے توفیقِ غم مہنگی پڑی ہے

ہمیں سودائی کہتا ہے زمانہ
وہ زلف خم بہ خم مہنگی پڑی ہے

گلہ اے دوست کم ظرفی ہے ورنہ
ہمیں کیا زیست کم مہنگی پڑی ہے

کریں کس منہ سے ذکرِ ذات عابدؔ
تمنائے صنم مہنگی پڑی ہے

(12/اگست 1963)

○

کسی کو دشمنی مہنگی پڑی ہے
کسی کو دوستی مہنگی پڑی ہے

بالآخر دار تک پہنچا کے چھوڑا
خودی سے بے خودی مہنگی پڑی ہے

بنا بیٹھے زمانے بھر کو دشمن
یہ خود داری بڑی مہنگی پڑی ہے

بلا سے ہم مانیں ہار لیکن
فلک سے دشمنی مہنگی پڑی ہے

ترا تو کیا گیا 'کن' کہنے والے
ہمیں کو زندگی مہنگی پڑی ہے

کہیں کیا عابدؔ اپنی آگہی کی
کبھی سستی کبھی مہنگی پڑی ہے

(12 راگست 1963، حیدرآباد)

○

کیا جانے کیا بیتی دل پر حرکت نہ حرارت کچھ بھی نہیں
یا درد ہی حاصل ہستی تھا یا درد میں لذت کچھ بھی نہیں

وہ لطف و کرم وہ مہر و وفا وہ خلق و مروت کچھ بھی نہیں
پہلے مری ہستی سب کچھ تھی کیا اب مری قیمت کچھ بھی نہیں

دھوکا ہے نگاہِ ناقص کا یا وہم ہے فہم باطل کا
دنیا کی حقیقت کیا کہیے دنیا کی حقیقت کچھ بھی نہیں

ہنس کر رونا رو کر ہنسنا، رو کر ہنسنا ہنس کر رونا
سمجھو تو محبت سب کچھ ہے سوچو تو محبت کچھ بھی نہیں ہے

لب کھولیں بھی ہم تو کیا کھولیں خاموش ہی رہنا بہتر ہے
اپنوں کی عنایت کے صدقے غیروں کی عداوت کچھ بھی نہیں

یہ اپنی اپنی ہمت ہے اور اپنی اپنی فکر و نظر
کچھ کہتے ہیں قسمت سب کچھ ہے کچھ کہتے ہیں قسمت کچھ بھی نہیں

بے سود ہیں علم و فضل و ہنر کیوں کوئی خریدے یہ دردِ سر
اس دور سعی و سفارش میں جب ذاتی لیاقت کچھ بھی نہیں

(یکم جنوری 1964)

○

کوئی ہنگامۂ نشاط نہیں
کوئی تقریبِ انبساط نہیں

کیا ہوا رسم و راہِ الفت کو
نام کو بھی تو اختلاط نہیں

یوں نہ ڈر ڈر کے کر گزر اے دوست
زندگی ہے پُل صراط نہیں

آج ہر چیز رو بہ پستی ہے
اک تنزل کو انحطاط نہیں

جب خدا ہی کرے خراب تو پھر
آدمی کی کوئی بساط نہیں

دل نہ باندھ اس سرائے فانی سے
قابلِ ربط یہ رباط نہیں

خوفِ تشہیر عشق ہے عابدؔ
اور توفیقِ احتیاط نہیں

(11رجنوری 1964)

○

کیا کہیں کس طرح گزرتی ہے
زندگی زندگی سے ڈرتی ہے

جب بھی آلام سے گزرتی ہے
زیست کچھ اور بھی نکھرتی ہے

کیا کشش ہے مرے نشیمن میں
برق اکثر طواف کرتی ہے

زندگی بھی عجب تماشہ ہے
جب بگڑتی ہے تب سنورتی ہے

تھرتھری بے سبب نہیں صاحب
شمع گستاخیوں سے ڈرتی ہے

غم پہنچتے ہیں بے دریغ جہاں
خوشی دامن کشاں گزرتی ہے

ساتھ چھوڑے تو کس طرح عابدؔ
بے بسی آدمی پہ مرتی ہے

(28/جنوری 1964)

○

اہلِ دل مہرو محبت کا چلن بھول گئے
وہ روایات وہ آدابِ کہن بھول گئے

اپنی فطرت کو مگر سرو و سمن بھول گئے
باغ کچھ اس طرح اجڑے ہیں کہ بن بھول گئے

اہلِ دنیا کے مصائب کی کریں کیا تشریح
ہم اِنہیں دیکھ کے سب رنج و محن بھول گئے

ساقیِ بزم کو ابِ بزم کی پروانہ سہی
بزم والے بھی تو آداب کہن بھول گئے

تونے آزاد کیا بھی ہے تو کب اے صیاد
جب گرفتار قفس راہِ چمن بھول گئے

عابدؔ اک عمر سے طاری ہے طبیعت پہ جمود
ایسا لگتا ہے کہ ہم شعر کا فن بھول گئے

(10/مئی 1964)

○

دل میں جب گریہ و زاری کا خیال آتا ہے
مرے آگے تری حرمت کا سوال آتا ہے

کیا ہوا ہو نہ سکا تم سے اگر وعدہ وفا
یہی کیا کم ہے تمہیں میرا خیال آتا ہے

فاصلہ اپنوں کو بے گانہ نہیں کر سکتا
آنکھ روتی ہے اگر دل میں ملال آتا ہے

جاننے والے بھی کھا جاتے ہیں ہر بار فریب
آپ کو عذر تراشی کا کمال آتا ہے

چاند کو دیکھ کر نظر چرخ پہ رکھنے والے
جس کو ہوتا ہے عروج اُس پہ زوال آتا ہے

دل تو کیا روح پہ ہوجاتا ہے لرزہ طاری
جب مجھے اپنے گناہوں کا خیال آتا ہے

غم نا پختگیِ شعر عبث ہے عابدؔ
آتے آتے ہی کسی فن میں کمال آتا ہے

(17/جولائی 1964)

○

ترا اے حسنِ دل آرا بھلا ہو
ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہو

محبت میں قدم رکھ تو دیا ہے
مگر اب دیکھئے انجام کیا ہو

وہ صورت ہر بشر ہر چیز میں ہے
بھٹکتی کیوں ہو اے بھولی نگاہو

یہ امرِ اختلافی تو ہے پھر بھی
حسیں وہ ہے جسے دل چاہتا ہو

کہاں تک انتظارِ رحمتِ حق
تمہیں بخشو مجھے اب اے گنا ہو

ہمیں تو چاہئے کشتی سلامت
محافظ نا خدا ہو یا خدا ہو

اُسے جینا نہ کیوں دوبھر ہو عابؔد
زمانہ جس بشر سے پھر گیا ہو

(27/جولائی 1965)

○

حسن ہو اپنی نظر میں تو زمانہ ہے حسیں
ورنہ دنیا میں خرابی کے سوا کچھ بھی نہیں

وہاں قابض ہیں فرشتے یہاں شیطاں ہیں مکیں
حق سے محروم ہے انسان فلک ہو کہ زمیں

زندگی دور کی آواز ہے شاید اے دوست
الجھی الجھی بھی ہے مبہم بھی ہے پھر بھی ہے حسیں

میں یہ کہتا ہوں زمانے کو موافق کرلیں
دل یہ کہتا ہے نکل جائیں چلو اور کہیں

وسعتِ علم خدا جانے کہاں تک پہنچے
ہے ابھی سرحد ادراک بشر چرخِ بریں

دامنِ دیں ہو کہ دنیا ہیں برابر دونوں
یعنی انسان کے دل کو تو کہیں چین نہیں

اور تو خیر توقع ہی نہیں ہے عابدؔ
حال ہی پوچھ لے اپنا کوئی اتنا بھی نہیں

(6رنومبر 1964)

○

ہم ہیں الفت کے دیوانے
کوئی ہمارا درد نہ جانے

شمع جلے گو سو پردوں میں
ڈھونڈ ہی لیتے ہیں پروانے

جتنے منہ اتنی ہی باتیں
ایک حقیقت سو افسانے

درد زباں سے کیوں کر کہیے
دل کی لگی کو دل ہی جانے

سلجھ سلجھ کر الجھ رہے ہیں
آرزوؤں کے تانے بانے

پہنچے نہ تیرے نقشِ قدم تک
گلشن دیکھے صحرا چھانے

اور ہمارا کون ہے عابدؔ
تم اپنے تم ہی بے گانے

(16 ستمبر 1964)

○

حسن کی ہر بات اک اعجاز ہے
اور خموشی میں بھی اک انداز ہے

اچھے اچھوں کی سمجھ سے ہے بعید
زندگی بھی دور کی آواز ہے

جانور ہوں یا ہوں ابلیس و ملک
آدمی ہر نوع میں ممتاز ہے

وہ تغافل کیش ہیں تو کیا ہوا
مجھ کو بھی اپنی وفا پر ناز ہے

دھوم ہے جس نغمگی کی دہر میں
اس کا منبع اک شکستہ ساز ہے

باعثِ تذلیل انساں ہے عمل
اور عمل ہی باعث افراز ہے

اور کوئی فن نہیں عابدؔ تو کیا
شاعری اپنے لیے اعزاز ہے

(24 نومبر 1964)

○

وہ جب تک بے داد رہیں گے
ہم محوِ فریاد رہیں گے

جب تک اہلِ جنوں زندہ ہیں
ویرانے آباد رہیں گے

ہر عالم میں ہر حالت میں
شاد رہے ہیں شاد رہیں گے

غم سے کون بچا ہے اے دل
ہم کیوں کر آزاد رہیں گے

فصلِ گل میں کس کو خبر تھی
گلشن میں صیاد رہیں گے

جب تک ہے خود کام زمانہ
اہلِ دل برباد رہیں گے

جب تک شعر کہیں گے عابدؔ
مستِ مئے ایجاد رہیں گے

(یکم دسمبر 1964)

○

جب طبیعت فگار ہوتی ہے
زیست لیل و نہار روتی ہے

کیا خبر کس امید پر دنیا
راہِ الفت میں خار بوتی ہے

دل پہ گزری ہے دل سنبھالے گا
آنکھ کیوں زار زار روتی ہے

دوستوں کا گلہ کروں کیوں کر
دوستی داغ دار ہوتی ہے

ایک اشک اک حقیر قطرۂ آب
ایک اشک، آبدار موتی ہے

ہے وقارِ بشر وفا عابدؔ
بے وفائی وقار کھوتی ہے

(12/جنوری 65

ہندسماچار میں 11/اگست 2003 کو شائع ہوئی)

○

مرا نصیب بنا کر مٹا دیا تو نے
یہ کس خطا پہ نظر سے گرا دیا تو نے

وہی تو ایک جہاں میں تھا جاں نثار ترا
جسے غریب سمجھ کر بھلا دیا تو نے

فراہمی خس و خار میں حیات گئی
بنا نہ تھا کہ نشیمن جلا دیا تو نے

اگرچہ ایک تکلف تھا رسم و راہ تو تھی
مگر یہ پردہ بھی آخر اٹھا دیا تو نے

علاج موت مقرر ہوا غم دل کا
مری بساط سے کتنا سوا دیا تو نے

جو ناگوار نہ گزرے تو ایک بات کہوں
مجھے الم کے سوا اور کیا دیا تو نے

تری ہی راہ میں آخر تو کام آنا تھا
بھلا ہوا کہ ٹھکانے لگا دیا تو نے

(31، دسمبر 1966)

O

ان کو دل و نظر میں کریں جب مکین لوگ
کیوں کر نہ پھر غرور کریں مہ جبین لوگ

تا زندگی تو قدر کوئی جانتا نہیں
مرنے کے بعد پوجتے ہیں اکثر ذہین لوگ

وہ دن گئے کہ دین کو دنیا پہ فوق تھا
اب کوڑیوں پہ بیچتے پھرتے ہیں دین لوگ

اٹھتا ہی جارہا ہے دلوں سے گداز و درد
بنتے ہی جارہے ہیں مسلسل مشین لوگ

اس دورِ پرفریب میں غیروں کا ذکر کیا
شک ہے جو خود بھی کرتے ہوں اپنا یقین لوگ

جس میں بصد تلاش بھی نکلیں سپاٹ شعر
کیوں انتخاب کرتے ہیں ایسی زمین لوگ

جو کھوکھلے ہیں لاف زنی ان کا طور ہے
خاموش طبع ہوتے ہیں عابدؔ متین لوگ

(28/نومبر 1966)

○

موت کا خوف نہیں فکر نہیں جانوں کی
شمع سے چھیڑ چلی جاتی ہے پروانوں کی

چند روز اور فقط چند ہی روز اور اے دوست
ہم بھی آجائیں گے فہرست میں افسانوں کی

اب تو جو چھین کے پی سکتا ہے پی لیتا ہے
اب وہ پہلی سی روایت کہاں مے خانوں کی

کشتگانِ رہِ الفت سے یہ دنیا کا سلوک
حیف ہے لاش بھی اٹھتی نہیں پروانوں کی

دل محزوں سے کبھی پردہ اٹھا کر دیکھو
ایک دنیا یہاں آباد ہے ارمانوں کی

آج اس پر ہمیں جنگل کا گماں ہوتا ہے
یہی دنیا کبھی بستی بھی تھی انسانوں کی

دل ہے گلدستۂ صد داغِ ستم اے عابدؔ
زیست زنجیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی

(17/جولائی 1965)

○

شکستِ دل کی صدا دور تک گئی ہوگی
یقیں نہیں کہ کسی اور نے سنی ہوگی

دیا نہ بخت نے موقع حیات میں لیکن
مرے لبوں پہ دمِ واپسیں ہنسی ہوگی

قبول کر لیا دنیائے دوں کو روزِ ازل
خبر نہ تھی، یہاں توہینِ آدمی ہوگی

زمانہ جس کو بقائے دوام کہتا ہے
وہ زندگی تو محبت کی زندگی ہوگی

سما سکا نہ نگاہِ حبیب میں جو کبھی
مری وفاؤں میں شاید کوئی کمی ہوگی

شبِ سیاہ کے بعد اور بڑھ گئی ظلمت
ہمیں گماں تھا دمِ صبح روشنی ہوگی

تمہارے حکم سے کس کو تھی تابِ سرتابی
نظر بغیرِ ارادہ ہی اٹھ گئی ہوگی

(13 / جولائی 1965)

○

اک میں کہ راندۂ دل دنیا کہیں جسے
اک تو کہ سب کے دل کی تمنا کہیں جسے

ہم درد و ہم نشین و ہم آواز ہیں بہت
ایسا نہیں ہے کوئی کہ اپنا کہیں جسے

ہر شخص کو کچھ اس سے شکایت ضرور ہے
کس کا ہوا ہے دوست زمانہ کہیں جسے

ہر گاہ ایک منظرِ نو ہے نگاہ میں
ہے اک تماشہ گاہ کہ دنیا کہیں جسے

اس حسنِ سحر ساز کی افسوں گری کی خیر
خود بین و خود پرست و خود آرا کہیں جسے

یا رب ہمارے حصے میں بھی آئے گا کبھی
اک ایسا خواب، خوابِ زلیخا کہیں جسے

عابدؔ ہے اک فقیر حقیر و خدا پرست
گوشہ گزیں و تارکِ دنیا کہیں جسے

(18، مارچ 1965)

○

تعصب سے الگ رہ کر سبھی کی قدر کرتے ہیں
بہ قدرِ ظرف ہم ہر آدمی کی قدر کرتے ہیں

صریحاً خود کشی ہے زندہ جل جانا پتنگوں کا
مگر ہم جذبۂ پروانگی کی قدر کرتے ہیں

نہیں عیب و صوابِ دوستاں سے کچھ غرض ہم کو
ہم ان لوگوں میں ہیں جو دوستی کی قدر کرتے ہیں

نہیں آتا سمجھ اہلِ جہاں کا یہ چلن ہم کو
یہ جس کو خوار کرتے ہیں اسی کی قدر کرتے ہیں

رہِ ہستی میں مل جاتے ہیں ایسے لوگ بھی جن کو
بدوں سے سخت نفرت ہے بدی کی قدر کرتے ہیں

ہوں اپنی سادگی سے کس لیے مایوس اے عابدؔ
ابھی کچھ لوگ ہیں جو سادگی کی قدر کرتے ہیں

(8/مارچ1965)

○

جب طبیعت فگار ہوتی ہے
زیست لیل و نہار روتی ہے

کیا خبر کس امید پر دنیا
راہِ الفت میں خار بوتی ہے

دل پہ گزری ہے دل سنبھالے گا
آنکھ کیوں زار زار روتی ہے

ایک اشک اک حقیر قطرہ آب
ایک اشک آب دار ہوتی ہے

دوستوں کا گلہ کروں کیوں کر
دوستی داغ دار ہوتی ہے

ناچتی پھرتی ہے چمن میں خزاں
آج کل کیا بہار ہوتی ہے

ہے وقارِ بشر وفا عابدؔ
بے وفائی وقار کھوتی ہے

(یکم جنوری 1965)

○

دل کہتا ہے چھوڑ کے دنیا تنہا کہیں مقام کریں
یعنی پاگل کو یہ دھن ہے نا شائستہ کام کریں

اتنے اونچے اُڑ آئے ہیں کہہ دے کوئی صیادوں سے
ان سے بنے تو کوشش کرلیں ہم کو اسیرِ دام کریں

پینے والے پی جاتے ہیں زہر ہو یا صہبا کا جام
ان کی بلا سے لوگ اُنہیں گو خام کریں بدنام کریں

ایک مکمل دنیا کی تعمیر کی اک صورت ہے یہی
آؤ ہم تم اس دنیا میں سوزِ محبت عام کریں

نبض بھی رک رک کر چلتی ہے دل بھی اُلٹا رہتا ہے
ہیں سارے سامان سفر کے صبح کریں یا شام کریں

بے مقصد جینے سے تو با مقصد مرنا اچھا ہے
زندہ رہنا ہے تو پھر کچھ زندوں کے سے کام کریں

توڑ دیا امید نے بھی دم ڈوب چلے ہیں تارے بھی
عابدؔ رات آنکھوں میں بیتی آؤ اب بسرام کریں

(28، دسمبر 1964)

○

وہ جب تک بے داد رہیں گے
ہم محوِ فریاد رہیں گے

جب تک اہلِ جنوں زندہ ہیں
ویرانے آباد رہیں گے

ہر عالم میں، ہر حالت میں
شاد رہے ہیں شاد رہیں گے

فصلِ گل میں کس کو خبر تھی
گلشن میں صیاد رہیں گے

جب تک ہے خود غرض زمانہ
اہلِ دل برباد رہیں گے

جب تک شعر کہیں گے عابدؔ
مست مئے ایجاد رہیں گے

رکھیں گے جو اوروں سے توقع
وہ اکثر ناشاد رہیں گے

(یکم دسمبر 1964)

منظومات

وسعتِ علم خدا جانے کہاں تک پہنچے
ہے ابھی سرحدِ ادراک بشر چرخِ بریں

"ایک دعا"

دنیا سے جو بالا ہو مجھے ایسی نظر دے
احسان جہاں لاکھ ہیں اک اور بھی کردے

جس راہ میں خود عقل کے بھی پاؤں بہک جائیں
دینا ہے تو اس منزلِ عالی کی خبر دے

احساس ہی باقی نہ رہے کم نظری کا
اٹھ جائیں مری آنکھ سے اوہام کے پردے

منزل کی درازی مجھے گم راہ نہ کر پائے
وہ عزمِ سفر دے وہ مجھے ذوقِ سفر دے

آنکھوں کو نہ ہو پھر ہوس حسنِ دل آراء
کر اتنا کرم دامنِ دل حسن سے بھردے

محتاج کی خدمت کو عطا کر مجھے توفیق
ظالم سے نپٹنے کے لیے زور دے زر دے

ہو مرہم اکسیر ہر اک زخم دلی کو
اللہ مری بات میں اتنا تو اثر دے

"نظم"

اے کہ تو اکیلا ہے
زندگی کی راہوں میں
اے کہ تجھ کو ڈستی ہے
زندگی کی تنہائی
اے کہ تو گریزاں ہے
زیر و بم سے ہستی کے
اے کہ تجھ کو شکوہ ہے
زندگی نہ راس آئی
اے کہ فطرتاً تجھ میں
ذوق زندگی کم ہے
اے کہ تو نے ہستی کی
تھاہ ہی نہیں پائی
اے کہ تو سہاروں کی

جستجو میں پھرتا ہے

اے کہ تو سہاروں کا

بن گیا ہے شیدائی

آہ بے خبر تجھ کو یہ مگر نہیں معلوم

جی رہے ہیں دنیا میں لوگ بے سہارا بھی

(یکم مارچ 63)

تفسیرِ محبت

محبت جبر و استبداد کی خوگر نہیں ہوتی
مگر یہ ضبط کے جامے سے بھی باہر نہیں ہوتی

محبت کرنے والے خود پرستی کر نہیں سکتے
وفا خود دار ہوتی ہے مگر خود سر نہیں ہوتی

محبت موت کے آغوش میں بھی مسکراتی ہے
انانیت کسی میں عشق سے بڑھ کر نہیں ہوتی

اسی کی گود میں بے شک ہزاروں فتنے پلتے ہیں
بناتِ خود وفا ہر چند فتنہ گر نہیں ہوتی

ذرا سی ضرب میں انساں کہیں کا بھی نہیں رہتا
محبت سے بڑی شاید کوئی ٹھوکر نہیں ہوتی

محبت کرنے والے اپنی دھن میں مست رہتے ہیں
ادائے ہوشیاری عشق کا جوہر نہیں ہوتی

محبت کوہ ساروں تک کے سینے چیر دیتی ہے
محبت سولیوں پر بھی خمیدہ سر نہیں ہوتی

محبت پتھروں سے دودھ کی نہریں بہاتی ہے
یہ شعلوں سے گلے مل کر بھی خاکستر نہیں ہوتی

محبت خاک کی چٹکی کو بھی پرواز دیتی ہے
یہ رفعت آشنا ہرگز شکستہ پر نہیں ہوتی

محبت کرنے والوں کا جہاں فانی نہیں ہوتا
وفا میں مٹنے والوں کی نظر تہ پر نہیں ہوتی

وفا والوں کے معبد اینٹ پتھر کے نہیں ہوتے
محبت قابلِ پابندیِ دل بر نہیں ہوتی

تم اے عآبد محبت سے بغاوت کر نہیں سکتے
کجا خاکی یہ ہستی قدسیوں سے سر نہیں ہوتی

(9/اکتوبر61)

''ایک اذیت ناک خیال''

کبھی کبھی سرِ شام
تمام روز کے بے مدعا سفر کے بعد
تھکی تھکی سی سحر
ذرا سی دیر کو جب
شبِ سیاہ کے آغوش خواب آور میں
غم دوام کی کلفت کو بھولنے کے لیے
سمیٹ کر تنِ نازک کو ڈوب جاتی ہے
اور اک مہیب سا سناٹا سارے عالم پر
برنگِ چادرِ ظلمت دراز ہوتا ہے
تو ایسے عالم ظلمت فزا میں میں تنہا
تفکرات کے بڑھتے ہوئے سمندر کو
(شکستہ کشتیِ دل کے سہارے۔۔ بے پتوار
عبور کرنے کی اک سعیِ بے حصول میں گم
خموش، لب بستہ
مجسمہ کی طرح بے حرکت ہوتا ہوں
تو ذہن میں وہیں اک برق کوند جاتی ہے

رگوں میں خون کا دوران بڑھنے لگتا ہے
کشیدگی سے سب اعصاب تننے لگتے ہیں
رگیں جبیں کی اذیت سے پھول جاتی ہیں
جلن سے کرب کی کن پٹیاں سلگتی ہیں
دماغ درد سے ماؤف ہونے لگتا ہے
اور اک خیال
فقط ایک ہی خیال اس وقت
مجسمہ بن کر
بہ شکلِ دیو مہیب
نظر کے سامنے رقصاں دکھائی دیتا ہے
کہ زندگی ہے یوں ہی بے نشان و بے مقصد

(10 نومبر 1964)

''ایک موڈ'' (کیفیت)

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے
دل پہروں دکھتا رہتا ہے
ہلکا ہلکا اضطراب سا
سطح کے نیچے
اس طرح لیتا ہے لہریں
جیسے کوئی خاموش سمندر
ظاہر ساکن' باطن طوفاں
اوپر گم صم' اندر ہل چل
کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے
کیا جانے کیوں؟
کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے
دل بے طرح مچل اٹھتا ہے
جیسے کوئی ضدّی بچہ
بے باعث' بے وجہ بگڑ جاتا ہے سب سے
خواب و خورش کا تو کہنا کیا
بات بھی ہوتی نہیں گوارا

کسی چیز میں جی نہیں لگتا

ذہن میں ہل چل مچ جاتی ہے

سب اعصاب تنے جاتے ہیں

پھٹی پھٹی سی آنکھیں اپنی

ہر سو حیرت سے تکتی ہیں

دیواروں پر جم جاتی ہیں — چتر کے جیسے پار نکل جائیں گی

یا خلاؤں میں گھل جائیں گی

اور ایسا لگتا ہے —

جیسے ہم کچھ کھو بیٹھے ہوں

یا کچھ ڈھونڈ رہے ہوں لیکن

کیا جانے کیا؟؟؟ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے

دل پہروں دکھتا رہتا ہے

کیا جانے کیوں؟؟

(یکم دسمبر 1964)